مولانا شبلی نعمانی

سال ولادت: ۱۸۵۷ء　　سال وفات: ۱۹۱۴ء

مولانا شبلی نعمانی اعظم گڑھ کے ایک گاؤں موضع بندول میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام محمد شبلی تھا مگر امام ابو حنیفہؒ کی نسبت سے شبلی نعمانی کہلانے لگے۔ ان کے والد شیخ حبیب اللہ اعظم گڑھ میں وکیل تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ میں مولوی شکر اللہ سے حاصل کی۔ غازی آباد میں مولانا فاروق سے عربی و فارسی ادبیات اور منطق و فلسفہ پڑھا۔ اس کے بعد شبلی رام پور چلے گئے جہاں مولانا ارشاد حسین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں انھوں نے لاہور اور سہارن پور میں ''حماسہ'' اور علم حدیث پڑھا۔ انیس برس کی عمر میں شبلی نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ مدینہ منورہ بھی گئے اور مختلف کتب خانوں کی سیر کے بعد وطن واپس آ کر شعر و ادب کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔

شبلی نے والد کے اصرار پر وکالت کا امتحان بھی پاس کیا مگر ان کا اس پیشے میں جی نہ لگا اور انھوں نے وکالت ترک کر دی۔ ۱۸۸۱ء میں شبلی کی ملاقات سرسید سے ہوئی۔ اس ملاقات میں سرسید، شبلی کا لکھا ہوا مدحیہ قصیدہ پڑھ کر بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۸۳ء میں سرسید نے انھیں عربی اور فارسی کا استاد مقرر کر دیا۔ ۱۸۸۷ء میں انھیں پروفیسر کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ علی گڑھ کے قیام کے دوران میں ہی شبلی نے پروفیسر آرنلڈ سے فرانسیسی زبان سیکھی اور انھیں عربی سکھائی۔

۱۸۹۲ء میں شبلی نے آرنلڈ کی ہمراہی میں قسطنطنیہ کا دورہ کیا اور دو ماہ تک بلادِ اسلامیہ کی سیاحت میں مشغول رہنے کے بعد واپسی پر ''سفرنامہ روم و مصر و شام'' لکھا۔ ۱۸۹۸ء میں اعظم گڑھ میں قیام کے دوران میں شبلی ''ندوۃ العلما'' سے وابستہ ہو گئے مگر اس وابستگی کو زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھ سکے اب وہ ادارہ ''دار المصنفین'' کے قیام میں لگ گئے اور اپنا سب کچھ علم و ادب کے فروغ کے لیے وقف کر دینے کے بعد ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔

شبلی ایک عظیم مفکر، نامور مؤرخ، نقاد، سوانح نگار، تبصرہ نگار، واعظ اور شاعر بھی تھے۔ ان کی نثر کی نمایاں خصوصیات روانی، شگفتگی، ادبی چاشنی، فکر کی گہرائی اور دلیل کے ساتھ بات کرنے کا مؤثر انداز ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں فارسی اور عربی کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا مگر اس کے باوجود نثر کی سادگی، شگفتگی اور ادبی حُسن کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

مولانا شبلی کی اہم تصانیف یہ ہیں:

المامون، الغزالی، سوانح مولانا روم، الفاروقؓ، سیرۃ النعمان، علم الکلام، الکلام، شعر العجم، موازنۂ انیس و دبیر، سفرنامۂ روم و مصر و شام، مضامین عالمگیر اور سیرۃ النبیؐ۔

مسلمانوں کا قدیم طرز تعلیم

۱۴۵ھ تک یعنی جب تک تصنیف وتالیف شروع نہیں ہوئی تھی، جو تعلیم وتعلم تھی وہ عرب کے سادہ اور نیچرل طرز زندگی کے لیے موزوں تھی۔ علوم وہ تھے جن کو حافظہ سے زیادہ تر تعلق تھا۔ بحث طلب مسائل بھی معمولی فہم کی دسترس سے باہر نہ تھے اور طرز تعلیم تو بالکل وہی تھا (یعنی سند وروایت) جو قدیم زمانے سے ان میں رائج تھا لیکن سو برس کی مدت میں..... تمدن بہت کچھ ترقی کر گیا اور اسی نسبت سے تعلیم بھی زیادہ وسیع اور مرتب وباقاعدہ ہو چلی۔ اس دور میں جن علوم کو رواج عام حاصل ہوا وہ نحو' معانی' لغت' فقہ' اصول' حدیث' تاریخ' اسماء الرجال' طبقات اور ان کے متعلقات تھے۔ عقلی علوم کا سرمایہ گو بہت کچھ جمع ہو گیا تھا مگر رواج عام نہ حاصل کر سکا جس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت نے اس کی اشاعت پر چنداں زور نہیں دیا اور عام ملک کو کچھ ناواقفیت' کچھ مذہبی غلط فہمی کی وجہ سے فلسفہ ومنطق کے ساتھ ہمدردی نہ تھی۔

تعلیم کا یہ دوسرا دور عجیب دلچسپیوں سے بھرا ہے۔ دیکھو دریائے سندھ کے کنارے تک اسلام حکومت کر رہا ہے۔ سیکڑوں قبیلے ریگستانِ عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ بہت سی نئی قومیں دلی ذوق سے اسلام کے حلقے میں داخل ہو رہی ہیں لیکن اب تک اس وسیع دنیا میں سلطنت کی طرف سے نہ کوئی سررشتۂ تعلیم ہے نہ یونیورسٹیاں ہیں' نہ مدرسے ہیں۔ عرب کی نسلیں حکمران ہیں مگر حکومت ایسی بے تعلق اور اوپری ہے کہ ملک کے عام اخلاق' معاشرت' تمدن پر فاتح قوم کی تہذیب کا اثر چنداں نہیں پڑ سکتا۔ تمام علوم پر عربی زبان کی مہر لگی ہے۔ ان سب باتوں پر دیکھو کہ علوم وفنون کس تیزی اور وسعت سے بڑھتے جاتے ہیں۔ مرو' ہرات' نیشاپور' بخارا' فارس' بغداد' مصر' شام' اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی صداؤں سے گونج اٹھا ہے۔ عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکتب قائم ہیں جن میں سلطنت کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے اور جو آج کل کے تحصیلی مدارس سے زیادہ مفید اور فیاض ہیں۔ اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن' خانقاہوں کے حجرے' علماء کے ذاتی مکانات ہیں لیکن ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں میں جس وسعت اور فیاضی کے ساتھ علم کی تربیت ہو رہی ہے بڑے بڑے عالی شان قصر وایوان میں بھی، جو پانچویں صدی کے آغاز میں اس غرض سے تعمیر ہوئے، اس سے کچھ زیادہ نہ ہو سکی۔

اگرچہ اس وقت اس زمانے کا کوئی رجسٹر موجود نہیں جس سے ہم حساب لگا سکیں کہ فیصد کتنے آدمی تعلیم یافتہ تھے لیکن تذکرے' تراجم' اسماء الرجال' طبقات کی سیکڑوں' ہزاروں کتابیں موجود ہیں جن سے ہم صحیح اندازے کے قریب پہنچ سکتے ہیں۔ اگرچہ متواتر انقلابات' تخت گاہوں کی بربادی' سپین کی تباہی' تاتار کی عام غارت گری کے بعد ہمارے پاس جو کچھ رہ گیا ہے وہ ہزار میں ایک بھی نہیں ہے اور اس وجہ سے ہزاروں لاکھوں ناموروں کی صورتیں زمانے کی تاریخی نگاہ سے چھپ گئی ہیں تاہم ہر عہد میں ہم سیکڑوں ماہرین ومجتہدینِ فن کا نشان دے سکتے ہیں۔ صرف ہم عصر وہم وطن اہلِ کمال کی فہرست تیار کی جائے تو بھی بہت سی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر سپرنگر صاحب تخمینہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ مشہور عالموں کا حال مل سکتا ہے۔ اب اگر یہ قیاس لگایا جائے کہ تعلیم یافتہ گروہ میں کس نسبت سے ایک صاحبِ کمال پیدا ہوتا ہے تو عام تعلیم کا ایک معقول اندازہ ہو سکتا ہے۔

مشہور علما کے تعلیمی حالات پڑھو۔ ایک ایک استاد کے حلقۂ درس میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں طالب علم مشغول درس نظر آئیں گے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن میں دس ہزار سے زائد دواتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیثِ نبوی لکھتے تھے۔ اس بڑے مجمع میں دو سو امام حاضر ہوتے تھے جو اجتہاد اور فتویٰ دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے۔

اس دور میں تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے یعنی املا جس کو اُردو میں لیکچر دینا کہتے ہیں۔ اُستاد ایک بلند

مقام مثلاً کرسی یا منبر پر بیٹھ جاتا تھا اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا شروع کرتا تھا۔ طالب العلم جو ہمیشہ قلم و دوات لے کر بیٹھتے تھے ان تحقیقات کو استاد کے خاص لفظوں میں لکھتے جاتے تھے اور اس طرح ہر ایک کی مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دور دراز مسافتوں کا طے کرنا اور متعدد اہلِ کمال کی خدمت میں پہنچ کر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ مشہور اہلِ فن کی لائف چھان ڈالو۔ اس زمانے میں ایک مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اُٹھائے بغیر اپنے فن میں نامور ہوا اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ میں گو ہر فن کے کامل شناسا موجود تھے مگر ان شہروں کے رہنے والے بھی مشرق مغرب کی خاک چھانے بغیر نہیں رہتے تھے۔ علامہ مقری کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ انھی علماء کے حالات میں ہے جو سپین سے مصر و شام و بغداد گئے یا ان مقامات سے چل کر سپین میں داخل ہوئے۔ جس کثرت اور جوش و سرگرمی سے تعلیم کے لیے ہمیشہ مسلمان سفر کرتے رہے ہیں دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے۔

دوسری چیز جو اعلیٰ تعلیم کے لیے گویا لازمی تھی مناظرہ کی مجلسوں میں شریک ہونا تھا۔ مشہور شہروں میں بحث و مناظرہ کے لیے خاص وقت اور مقام مقرر تھے۔ بعض امراء اس قسم کی مجلسیں اپنے مکانوں پر منعقد کرتے تھے۔ فقہ، ادب، نحو وغیرہ ہر علم کے لیے جداگانہ مجلسیں تھیں۔ ان میں علما اور طلبہ دونوں شریک ہوتے تھے اور کوئی ممتاز عالم بحث کے تصفیے کے لیے انتخاب کیا جاتا تھا۔ یہ جلسے جن میں زیادہ تر حق پسندی اور انصاف کا استعمال ہوتا تھا، معمولی نصاب تعلیم ختم کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ مفید تھے۔ تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد استاد ایک تحریری سند عطا کرتا تھا جس میں اس کی تعلیم کی ایک اجمالی کیفیت اور درس دینے کی اجازت لکھی ہوتی تھی۔ اس سند میں وہ طیلسان پہننے کی بھی اجازت دیتا تھا جو علماء کا مخصوص لباس تھا۔

تعلیم کی وسعت کے متعدد اسباب تھے۔

(۱) دینی تعلیم مذہب کا ایک ضروری جزو بن گئی تھی۔ قرآن و حدیث (جن پر مذہب کی بنیاد تھی) عربی زبان کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ اتنے تعلق سے نحو، صرف، لغت، معانی، اسماء الرجال بھی گویا مذہبی تعلیم کے ضروری اجزا تھے۔ فلسفے نے علمِ کلام کی صورت میں مذہبی علم ہونے کی عزت حاصل کی تھی۔ اب خیال کرو کہ ایک قوم جس میں اسلام کا جوش ابھی تازہ ہے، جس کی رگوں میں ہنوز عرب کا لہو ہے، جس کی ہمتیں بلند، ارادے مستقل، حوصلے وسیع ہیں اور پیہم ملکی کامیابیوں نے اس کے جوش کو زیادہ تیز کر دیا ہے جب کسی کام پر پوری توجہ سے مائل ہوگی تو اُسے کس حد تک پہنچا کر رہے گی۔ عرب کے سوا دوسری قومیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں، مذہب نے ان کو بھی انھی سرگرم جذبات سے بھر دیا تھا جو عرب کے ذاتی خاصے تھے۔ یہی بات ہے کہ نحو، لغت، حدیث، اصول، فقہ، فلسفہ کے امام و پیشوا قریباً کل عجمی ہیں۔

(۲) تعلیم مسجدوں اور علماء کی خاص درس گاہوں میں مقید نہ تھی۔ وزرا، حکام، فوجی افسر، اہلِ منصب ہر طبقے کے لوگ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے۔ وزارت کے کثیر الاشغال وقت میں بھی بوعلی سینا کی خدمت میں مستعد طلبہ کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا۔

(۳) تعلیم میں نہایت آزادی تھی۔ کسی مقررہ نصاب کی پابندی ضروری نہیں تھی۔ جو شخص جس خاص فن کو چاہتا تھا، حاصل کر سکتا تھا۔ اہلِ کمال کے زمرے میں سیکڑوں گزرے ہیں جو ایک فن میں امام تھے اور دوسرے فنون میں معمولی طالب العلم کا بھی درجہ نہیں رکھتے تھے۔

(۴) امرا اور اہلِ منصب کا گروہ جو شائقین علم کی سرپرستی کرتا تھا، عموماً تعلیم یافتہ اور پایہ شناس تھا۔ تعلیم کی اشاعت کا یہ بہت بڑا سبب تھا۔

سلاطین ووزراء تو ایک طرف، معمولی سے معمولی رئیس کی خدمت میں سیکڑوں ادیب وفاضل موجود ہوتے تھے اور چونکہ ان کی تنخواہیں کسی خدمت کے نہیں بلکہ صرف ان کا ذاتی کمال اور قبول عام مہنگے داموں خریدا جاتا تھا، تمام ملک میں لیاقت اور شہرت پیدا کرنے کا عام جوش پھیل گیا تھا۔ تصنیفات میں زور طبع کے ساتھ تحقیق واحتیاط کا لحاظ اس لیے زیادہ تر کرنا پڑتا تھا کہ جن قدر دانوں کے سامنے پیش کرنا ہے وہ خود صاحب النظر اور نکتہ چیں ہیں۔

مدرسوں کے قائم ہونے نے دفعتاً کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی۔ نصاب تعلیم قریباً وہی رہا جو پہلے تھا۔ پرائیویٹ تعلیم گاہیں عموماً قائم رہیں اور حق یہ ہے کہ جب تک ان پر کچھ زوال نہیں آیا تعلیم بھی نہایت وسعت سے جاری رہی لیکن رفتہ رفتہ ان مدرسوں میں خاص خاص قاعدوں کی پابندیاں شروع ہوئیں اور سلطنتِ عثمانیہ کے زمانے میں تو گویا تعلیم کا ایک جداگانہ قانون پاس کیا گیا۔ آٹھویں صدی سے پہلے فارغ التحصیل ہونے کے لیے ایک خاص مدت معین ہو چکی تھی، گو ملکوں کے اعتبار سے مختلف تھی۔ مثلاً مغرب (مراکو) وغیرہ میں سولہ برس اور تیونس میں پانچ برس طالب العلم کو تعلیم گاہ میں رہنا لازمی تھا۔ املا کا طریقہ بھی رفتہ رفتہ جاتا رہا۔ تیسرے دور میں اس بات نے تعلیم کو نہایت ابتر کر دیا کہ جو فن مقصود بالذات نہ تھے مثلاً نحو، صرف، منطق وامثال ذالک ان کی تعلیم میں وہ اہتمام اور موشگافیاں ہونے لگیں کہ عمر کا ایک بڑا حصہ انھی کی نذر ہو گیا اور اتنا وقت نہ مل سکا کہ جن علوم کی تکمیل مقصود اصلی تھی ان پر پوری توجہ ہو سکتی۔ تصانیف کی کثرت اور ان کا درس میں داخل ہونا، اس بات نے بھی نہایت ضرر پہنچایا۔ پہلے اور دوسرے دور میں زیادہ تر فن کی تعلیم ہوتی تھی لیکن تیسرے دور نے کتابی تعلیم کی بنیاد ڈالی جس میں اصلی مسائل سے زیادہ کتاب کی عبارت اور ان کے متعلقات سے بحث ہوتی تھی۔ ان مدرسوں میں فلسفہ ومنطق کی تعلیم کا بہت کم اہتمام تھا اور اکثر نامور مدرسوں میں ان علوم نے رسائی ہی نہیں پائی۔

انقلابات حکومت جو کثرت سے ممالک اسلامی میں ہوا کیے، ان مقاصد کے لیے اکثر مفید ثابت ہوئے۔ ایک خاندان کلیتاً برباد ہو جاتا تھا مگر اس کے علمی آثار اکثر محفوظ رہتے تھے۔ جو مواضع اور علاقے مدرسوں پر پہلے وقف ہو چکے تھے، دوسری نئی حکومت ان کو غصب نہیں کر سکتی تھی۔ ہلاکو خاں نے نہ صرف بغداد کو غارت کیا بلکہ تمام ممالک اسلامی کو برسوں تک بے چراغ کر دیا۔ تاہم اوقاف میں کچھ تصرّف نہ کر سکا۔ اس نے بغداد وغیرہ کے تمام اوقاف محقق طوسی کے ہاتھ میں دیے جس کا بہت بڑا حصہ محقق موصوف نے رصد خانے کی تعمیر میں صرف کیا۔ ممالک اسلامی میں جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی تو اس کو استحکام سلطنت اور عظمت وجلال قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ مدرسوں کی تعمیر اور علم کی اشاعت میں پچھلی حکومتوں سے زیادہ فیاضیاں دکھائے۔

ہم نے اس آرٹیکل میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مدرسوں کے حالات لکھے ہیں مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کے اندازہ کرنے کا یہ نہایت چھوٹا پیمانہ ہے۔ ہماری علمی فیاضیوں اور ایجادات وصنائع کو مدرسوں کے احاطے سے باہر ڈھونڈنا چاہیے۔ مدرسوں کی کثرت اور عالمگیر رواج نے بھی پرائیویٹ تعلیم گاہوں کی تعداد کو کم نہیں کیا۔ ۷۴۸ھ میں جب کہ مصر مدرسوں اور دار العلوم سے معمور تھا، خود مصر کی ایک جامع مسجد میں چالیس سے زائد حلقۂ درس تھے جن میں ہر قسم کے علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے۔

میں نے اس آرٹیکل میں اس بات سے قصداً پرہیز کیا ہے کہ سلف کے کارنامے زیادہ آب وتاب سے لکھوں۔ قوم کی آج یہ حالت ہے کہ جتنا لکھا گیا ہے یہ بھی اس کے چہرے پر نہیں کھلتا۔ سلف کے مفاخر کا ہم کیا ذکر کر سکتے ہیں۔ ہم نے جب خود کچھ نہیں کیا تو اس سے کیا حاصل کہ سلف نے بہت کچھ کیا تھا۔

(مقالاتِ شبلی)

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

i- ''املا'' کس طریقۂ تعلیم کو کہا جاتا تھا؟

ii- کون سی کتاب ''امالی'' کے نام سے مشہور ہوتی تھی؟

iii- ''طیلسان'' کسے کہا جاتا تھا؟

iv- اعلیٰ تعلیم کے لئے کون سی دو چیزیں لازمی خیال کی جاتی تھیں؟

2- سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

i- طرزِ تعلیم تو بالکل وہی تھا (یعنی سند و روایت) جو قدیم زمانے سے ان میں رائج تھا۔

ii- فلسفے نے علم کلام کی صورت میں مذہبی علم ہونے کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

iii- وزارت کے کثیر الاشغال وقت میں بھی بوعلی سینا کی خدمت میں مستعد طلبہ کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا۔

iv- انقلاباتِ حکومت جو کثرت سے ممالک اسلامی میں ہوئے تعلیمی مقاصد کے لیے اکثر مفید ثابت ہوئے۔

v- مضمون میں مذکور تین علمی شخصیات کے نام لکھیں۔

3- سبق میں چند قدیم علوم کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے درج ذیل علوم کے بارے میں مختصراً بتائیں:

i- اسماء الرجال ii- تذکرہ iii- طبقات iv- منطق

4- قدیم طرزِ تعلیم کے حوالے سے ''مناظروں'' کی اہمیت پر مختصر نوٹ لکھیں۔

5- سبق میں چند ایسے شہروں کا ذکر کیا گیا ہے جو اسلامی دنیا میں علم و ادب کے مراکز کے طور پر مشہور تھے ان کے نام لکھیں۔

6- شبلی کے اسلوب تحریر پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

7- سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

i- تمام علوم پر عربی زبان کی مہر لگی ہے۔

ii- صرف ہم عصر و ہم وطن اہل کمال کی فہرست تیار کی جائے تو بھی بہت سی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

iii- اعلیٰ تعلیم کے لیے دور دراز مسافتوں کا طے کرنا اور متعدد اہلِ کمال کی خدمت میں پہنچ کر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

iv- امرا اور اہلِ منصب کا گروہ جو شائقینِ علم کی سرپرستی کرتا تھا عموماً تعلیم یافتہ اور پایہ شناس تھا۔

8- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیں:

تعلیم و تعلم، اسماء الرجال، مستند، ہنوز، نکتہ چیں۔

☆☆.....☆☆.....☆☆